© rasailojaraid.com

عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا اور ان کے مآخذ پر ایک نظر

(۶)

سعید احمد اکبر آبادی

سریۂ عبداللہ بن جحش

اس کے بعد ۲ھ کے ماہ رجب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں آٹھ مہاجرین پر مشتمل ایک دستہ نخلہ روانہ فرمایا جو مکہ سے ایک شب کی مسافت پر ہے اور ساتھ ہی انھیں ایک تحریر دی اور حکم دیا کہ جب تک دو دن کی مسافت طے نہ ہو جائے وہ اسے نہ دیکھیں، پھر جب اسے پڑھیں تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی پر جبر نہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن جحش نے تعمیل حکم کی، دو دن کے سفر کے بعد جب انھوں نے تحریر پڑھی تو اس میں لکھا تھا: جب تم میری تحریر پڑھو تو اس کے بعد بھی اپنا سفر جاری رکھو، یہاں تک کہ تم نخلہ پہونچو، جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے، اسی مقام پر قریش کے حالات کا پتہ چلاؤ اور ہمیں ان سے باخبر کرو۔ حضرت عبداللہ بن جحش نے اس فرمانِ نبوی کو پڑھکر کہا: آمنا وصدقنا! اور اپنے رفقا کو اس مضمون سے آگاہ کیا اور یہ بھی فرمایا کہ میں کسی کو مجبور نہ کروں گا۔ لیکن سب نے بالاتفاق کہا کہ ہم سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و فرماں بردار ہیں، اس لئے جو آپ کا منشا ہے وہی ہمارا بھی ہے، اب یہ مختصر سا قافلہ حجاز کے راستہ پر پھر روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان کا اونٹ جس پر دونوں باری باری سے سوار ہوتے تھے گم ہوگیا اور یہ اس کی تلاش میں نکل جانے کے باعث قافلہ سے پیچھے رہ گئے حضرت عبداللہ بن جحش باقی رفیقوں کے ساتھ چلتے رہے، آخر جب مقام نخلہ میں پہونچے تو انھیں یہاں قریش کا ایک کاروانِ تجارت ملا جو کشمش اور کچھ اور سامان لا رہا تھا، مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ غور طلب بات یہ تھی کہ اگر وہ کاروانِ قریش کی مزاحمت کرتے ہیں اور نوبت جنگ کی آتی ہے تو ماہ رجب چونکہ اشہر حرام میں داخل ہے اس لئے یہ چیز اس مہینہ کی حرمت کے خلاف ہوگی، اور اگر مزاحمت نہیں کرتے تو کاروان بلدۂ حرام میں داخل ہو جائے گا۔ انجام کار فیصلہ یہی ہوا کہ کارواں سے تعرض کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں نے تیراندازی شروع کردی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عمرو بن الحضرمی قتل ہوگیا، کارواں کے دو شخص گرفتار ہوگئے اور ایک شخص جس کا نام نوفل بن عبداللہ تھا فرار ہوگیا۔

اب حضرت عبداللہ بن جحش مع اپنے چھ رفقا کے مالِ غنیمت اور دو قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس پہونچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے شہر حرام میں عمرو بن الحضرمی کے قتل پر کبیدگیِ طبع کا اظہار کیا اور فرمایا: میں نے تو تمھیں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ محمد بن اسحٰق کی روایت ہے جسے دوسروں نے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں پر بعض صحابہ بھی ناراض ہوئے اور کہا: تم لوگوں نے وہ کام کیا ہے جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا (یعنی غارت گری) اور تم نے شہر حرام میں جنگ کی ہے جس کے تم مامور نہیں تھے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر اس درجہ افسوس تھا کہ آپ نے مالِ غنیمت اور قیدیوں کے قبول کرنے سے انکار فرمادیا۔ یہ دیکھ کر ان حضرات کے چھکے چھوٹ گئے لیکن بعد میں جب قرآن مجید کی آیت:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۔ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ماہ مقدس میں جنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ
أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ
أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ، وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ
حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا
وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ
وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

(البقرۃ)

کرنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس مہینہ میں جنگ کرنا برا ہے، لیکن اللہ کے راستہ سے روکنا، اس کے اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اس کے اصل باشندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا ہے، اور فتنہ انگیزی قتل سے بھی زیادہ بری بات ہے اور (ہاں اے مسلمانو دیکھو) یہ کفار قریش تم سے اس وقت تک برابر برسرپیکار رہیں گے جب تک کہ وہ تم کو تمھارے دین سے برگشتہ نہ کردیں گے، بشرطیکہ وہ ایسا کرسکیں، (لیکن تم خوب سمجھ لو کہ) اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے منحرف ہوں گے اور کفر کی حالت میں مرجائیں گے تو دنیا اور آخرت میں ان کے اعمال بیکار ہوجائیں گے، وہ دوزخی ہوں گے اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ (ترجمہ)

نازل ہوئی اور سورۂ انفال کی یہ آیت: وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ اور جان لو کہ غنیمت کے طور پر تم کو جو کچھ بھی دستیاب ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے، بھی اتری تو اب حضور نے مال غنیمت میں اپنا حصہ قبول فرمایا اور دو شخص جو قیدی تھے ان کا فدیہ لیکر انھیں رہا کردیا۔

یہ بات رکھنے کی ہے کہ تاریخ اسلام میں یہ پہلا واقعہ ہے جس میں مسلمانوں کی طرف سے فریق مخالف پر تیراندازی ہوئی ہے اور اس کے نتیجہ میں ایک شخص قتل ہوگیا، اور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہے، لیکن یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر اور آپ کے منشا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خلاف ہوا۔ کیونکہ آپ کا مقصد دستہ کے بھیجنے سے صرف قریش کے حالات کی ٹوہ لینا تھا، نہ کہ جنگ کرنا۔ یعنی یہ سریہ جاسوسی کی خدمت پر مامور تھا۔ یہ ایک بالکل اتفاقی امر تھا کہ اس دستہ کی مڈبھیڑ ایک کاروانِ قریش سے ہو گئی، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ربط قائم رکھنا ممکن نہیں تھا، اس لئے صحابہ نے اجتہاد سے کام لیا اور وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ اگر کاروانِ قریش سے اس وقت تعرض نہ کیا گیا تو یہ لوگ مکہ میں جا کر خبر کر دیں گے اور مکہ چونکہ وہاں سے قریب ہے ہی اس لئے وہ لوگ یہاں آ کر ان کو قتل کر دیں گے یا کم از کم گرفتار کر کے لے جائیں گے دستہ کے اس فیصلہ کی صحت کا ثبوت اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے کہ بعد میں قرآن نے خود اس کی تصویب کر دی۔ لیکن جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا تعلق ہے نفسیات کا ایک طالب علم محسوس کر سکتا ہے کہ رحمتِ عالم کی شان یہاں بھی نمایاں ہے۔

غزوۂ بدر

بہ ظاہر یہ ایک معمولی واقعہ تھا، لیکن درحقیقت اس اعتبار سے بہت اہم تھا کہ ایک طرف اس واقعہ نے قریش کو چوکنا کر دیا اور انھیں محسوس ہونے لگا کہ ان کے غرور انانیت ونخوت کے لئے ایک چیلنج پیدا ہو گیا ہے، اس احساس کے بعد اگر ان میں سلامتِ طبع اور دور اندیشی کا جوہر ہوتا تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر مصالحت کر لیتے کہ اب وہ مسلمانوں کو نہ مسجد حرام سے روکیں گے، نہ ان کو ترک دین پر ورغلائیں گے اور نہ حضور کے تبلیغ ودعوت کے کام میں رخنہ انداز ہوں گے، لیکن انھوں نے اس راہ کو چھوڑ کر جنگ وجدال کی راہ اختیار کی اور اسلام دشمنی میں پہلے سے زیادہ سرگرم ہو گئے، اور دوسری جانب اس واقعہ کے سلسلہ میں مذکورہ بالا آیت قتال کے نزول نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں کو اس بات کا یقین دلا دیا کہ قریش سے اب خیر وصلاح کی کوئی توقع قائم نہیں کی جا سکتی، قرآن نے انھیں یاد دلایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے انھیں ترک وطن پر مجبور کیا، یہ انھیں مسجد حرام سے روکتے رہیں گے، یہ اب تک مسلمانوں سے برسرِ پیکار رہے ہیں اور آئندہ بھی ایسے ہی رہیں گے، اس لئے اب بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ان سے جنگ کی جائے، اس کے بغیر فتنہ وفساد اور شر وعناد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا سر قلم نہیں ہو سکتا، چنانچہ غزوۂ بدر اسی واقعۂ نخلہ کا نتیجہ ہے۔

غزوۂ بدر کا آغاز کیسے ہوا؟

جن ارباب علم ونظر کی نگاہ غزوۂ بدر کے مآخذ پر ہے وہ جانتے ہیں کہ اس سلسلہ میں احادیث میں جو کچھ ہے وہ اصل واقعہ کی چند جزئیات کے بیان سے زیادہ نہیں ہے، اور اگرچہ قرآن مجید میں بھی اس غزوہ کا بیان جس تفصیل سے ہے، کسی اور غزوہ کا بیان اس تفصیل سے نہیں ہے، لیکن چونکہ قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے، اس بنا پر پورے واقعہ کا مربوط اور مسلسل بیان اس میں بھی نہیں ہے، اب رہیں کتب مغازی وسیرت! تو ان میں بھی نفس واقعہ، اس کے اسباب اور اس کی جزئیات اس طرح ایک دوسرے سے خلط ملط ہو گئے ہیں کہ تاریخ نویسی کے موجودہ مذاق کے مطابق واقعہ کی مختلف کڑیوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرنا کارے دارد کا مصداق ہے، اردو زبان کے بلند پایہ سیرت نگار مولانا شبلیؒ اور مولانا عبدالرؤفؒ دانا پوری دونوں نے واقعہ کی صورت ایک دوسرے سے مختلف لکھی ہے، اس کی بڑی وجہ یہی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس سلسلہ میں جو کاوش کی ہے اس کا موضوع درحقیقت حضور کے میدانہائے جنگ کی جغرافیائی تحقیق ہے، اس کے سوا انھوں نے جو کچھ کہا ہے دوسروں پر اعتماد کر کے کہا ہے، ہم نے غزوۂ بدر کے تمام مآخذ کو سامنے رکھکر بہت کچھ غور وفکر کے بعد واقعہ کی اصل صورت حال اپنے ذہن میں جو کچھ متعین کی ہے اسے پیش کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ارباب علم وتحقیق اسے پسند کریں گے:

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ نخلہ کا واقعہ کوئی الگ تھلگ اور منفرد واقعہ نہیں ہے، بلکہ وہ غزوۂ بدر کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے، اس ذیل میں امور غور طلب یہ ہیں:

(۱) سریۂ عبداللہ بن جحش کس تاریخ کو روانہ ہوا۔

(۲) سریہ کو روانہ کرتے وقت وہ کیا بات تھی جس کی وجہ سے حضورؐ نے اس درجہ اہتمام فرمایا کہ امیر سریہ کو ایک بند تحریر دی اور تاکید فرمائی کہ جب تک تم دو دن کی مسافت طے نہ کر لو اسے مت کھولنا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) پھر فرمایا کہ تحریر پڑھنے کے بعد جو شخص تمھارے ساتھ نہ جانا چاہے اسے مجبور نہ کرنا۔ اسے جانے دینا۔

(۴) نخلہ کا مقام وقوع کہاں ہے، اور مکہ سے اس کا فاصلہ کتنا ہے؟

یہ سوالات تو وہ ہیں جو سریۂ حضرت عبداللہ بن جحش کے بارہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ اب رہا قریش کا وہ کاروانِ تجارت جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آرہا ہے اس کے متعلق حسب ذیل امور پر غور کرنا چاہیئے:

(۱) یہ قافلہ کس ساز وسامان اور تزک واحتشام سے روانہ ہوا تھا۔

(۲) مکہ سے کب روانہ ہوا تھا۔

(۳) مکہ اور شام کے درمیان مسافت کتنی ہے۔

اب اگر ان تمام امور اور تنقیحات پر یکجائی غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ چونکہ مکہ اور شام کے درمیان آٹھ سو نو سو میل کا فاصلہ ہے اور اس زمانہ میں کارواں جس رفتار سے چلتے تھے اس کے حساب سے اس مسافت کو طے کرنے کے لئے کم از کم ایک ماہ کی مدت درکار ہوتی ہے اور کارواں جس مقصد کے لئے گیا ہے وہ ایک دو دن کا کام نہیں، کم از کم ایک مہینہ شام میں اُس کا قیام بھی رہا ہوگا۔ اور ہمیں یہ معلوم ہے کہ غزوۂ بدر کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے علی حسب روایات ۸ ریا ۱۲ ر رمضان ۲ھ کو روانہ ہوئے ہیں۔ اس بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ قریش کا یہ کاروانِ تجارت اوائل رجب میں مکہ سے روانہ ہوا ہوگا۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ کارواں کس ساز وسامان کے ساتھ روانہ ہو رہا ہے، ابن سعد نے خود ابوسفیان، امیر کارواں کا قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں کوئی صاحب حیثیت شخص، مرد یا عورت ایسا نہیں تھا جس نے اس کارواں میں حصہ نہ لیا ہو اور اپنی رقم اس میں نہ لگائی ہو۔ ایک عام اندازہ کے مطابق کارواں کے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پچاس ہزار دینار کا سامانِ تجارت تھا۔[1] ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کا اندازہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیوں کا کیا ہے۔[2] جو لوگ اس کارواں میں شریک تھے ان کی تعداد کم و بیش ستر اور اونٹوں کی تعداد ایک ہزار تھی، کارواں کا اس ساز و سامان اور تزک و احتشام کے ساتھ روانہ ہونا اور مکہ کے ایک ایک مرد اور عورت کا جوش و خروش کے ساتھ اس میں حصہ لینا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ یہ سب کچھ محض کاروباری اور تجارتی مقصد سے نہیں تھا، بلکہ اس عظیم جنگ کی تیاری کے سلسلہ میں تھا جو قریش مدینہ پر حملہ کی شکل میں کرنا چاہتے تھے اور جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، یہود مدینہ کے نام ایک خط میں ابوسفیان اس کی دھمکی بھی دے چکا تھا اور قبیلہ قبیلہ اس کا پروپگنڈہ بھی ہو رہا تھا۔

جب مکہ کے حالات یہ ہوں تو نا ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اطلاع نہ ہوا ور آپ ان سرگرمیوں سے بے خبر ہوں، چنانچہ ہماری رائے میں آپ نے سریۂ عبداللہ بن جحش جو روانہ فرمایا ہے اس کی اصل محرک قریش کی یہی سرگرمیاں تھیں، ان سرگرمیوں کے باعث اس وقت مکہ گویا دشمن کی جنگی تیاریوں کا ایک کیمپ بنا ہوا تھا اور چونکہ نخلہ جہاں اس سریہ کو پہونچنا اور وہاں سے سراغ رسانی کرنا تھا مکہ سے قریب صرف ایک شب کی مسافت پر یعنی بارہ تیرہ میل تھا اس بنا پر یہاں آکر سراغ رسانی کرنا جان جوکھم میں ڈالنے کے مرادف اور سخت خطرناک کام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سریہ کے معاملہ میں بڑی رازداری سے کام لیا۔ امیر سریہ کو ایک بند تحریر دے کر فرمایا کہ جب تک دو شب و روز کی مسافت طے نہ ہو جائے وہ ہرگز اس کو نہ پڑھیں۔ اور پڑھنے کے بعد جو شخص بھی ہمراہ نہ ہونا چاہے اسے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کیا جائے، یہ رازداری

---

(1) Mohammad in Madina P. 10.

(۲) بحوالۂ ساحۃ الاسلام از ڈاکٹر احمد محمد الحوفی مطبوعۂ قاہرہ ص ۱۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف اس لئے تھی کہ سریہ ایک نہایت خطرناک مہم پر جارہا تھا۔ اور مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں برے بھلے، دوست دشمن ہر قسم کے لوگ تھے، اگر کسی منافق یا یہودی کو اس کی خبر ہو جاتی تو غضب ہو جاتا، اور سریہ کا بچ کر صحیح سلامت آنا مشکل ہوتا۔

مستشرقین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے انھوں نے لکھا ہے کہ سریۂ عبد اللہ بن جحش کا مقصد ہی قافلۂ قریش جو عمرو بن الحضرمی کی سرکردگی میں آرہا تھا اس کی گھات میں بیٹھنا تھا۔ حالانکہ حضورؐ نے جو الفاظ لکھے تھے وہ یہ تھے: "فترصد بہا قریشاً وتعلم لنا من اخبارھم" ان الفاظ کا صاف ترجمہ یہ ہے کہ "تم نخلہ میں قریش کی ٹوہ لگاؤ اور ان کے حالات معلوم کر کے ہمیں بتاؤ"۔[1] واٹ منٹگری (Watt Montgomary) جو سنجیدہ نگاری کے لئے اپنی جماعت میں مشہور ہے لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل پیغام "فترصد بہا قریشاً" تھا اور "وتعلم لنا من اخبارھم" صاف طور پر اس پر اضافہ ہے جو بعد میں اس غرض سے کیا گیا ہے کہ "ترصد" کے معنی "گھات میں بیٹھو" نہ ہوں، بلکہ "ان کے حالات کی نگرانی کرو" ہو جائیں۔ لیکن اس کی دلیل کیا ہے کہ یہ الفاظ اضافہ ہیں؟ اس کا جواب ندارد، اس دھاندلی کا کچھ ٹھکانا ہے!

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اگر بات صرف اتنی ہی تھی کہ عمرو بن الحضرمی کے کاروان سے تعرض کرنا تھا جو چار آدمیوں پر مشتمل تھا تو سریۂ عبد اللہ بن جحش جو ایک روایت کے مطابق بارہ اور ایک روایت کی رو سے آٹھ افراد پر شامل تھا اس کے لئے یہ ایسا کونسا مشکل اور خطرناک کام

---

(1) Mohammad in Madina P. 7.

(۲) اس سریہ کا ذکر ابن ہشام، ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، طبری، ابن حزم، ابن کثیر اور ابن عبد البر ہر ایک نے کیا ہے اور یہ الفاظ ابن اسحٰق کے تتبع میں جو سیرت اور مغازی کے باوا آدم ہیں اکثر نے نقل کئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درجہ رازداری سے کام لیا اور ایک بند تحریر کے ذریعہ امیر سریہ کو وہ ہدایات دیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، علاوہ ازیں اگر معاملہ یہی تھا تو اس پر اتنا بڑا ہنگامہ کیوں برپا ہوا کہ ایک طرف سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اظہارِ ناپسندیدگی فرمایا اور ارشاد ہوا کہ "میں نے تم کو جنگ کرنے کی اجازت تھوڑی دی تھی" اور ساتھ ہی مالِ غنیمت میں اپنا حصہ لینا منظور نہیں کیا دوسری جانب صحابہ نے عبداللہ بن جحش کو اس قدر برا بھلا کہا کہ روایت میں "وسقط فی القوم" یعنی "لوگوں کی نظروں سے گر گئے" کے الفاظ مذکور ہیں۔ مزید برآں منافقین، یہود اور مشرکین اور خود مسلمانوں میں بھی شور مچ گیا کہ ماہِ مقدس کی بیحرمتی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کو درمیان میں آکر صفائی پیش کرنی پڑی۔

بہرحال ان وجوہ بالا کی بنا پر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سریۂ عبداللہ بن جحش مکہ سے جو کاروان قریش شام جارہا تھا اور اس سلسلہ میں وہاں جو اور سرگرمیاں اور سرگوشیاں ہورہی تھیں ان کی ٹوہ لینے کے لئے ہی بھیجا تھا۔ یہ بالکل ایک اتفاقی حادثہ تھا کہ سریہ کی مڈبھیڑ عمرو بن الحضرمی کے مختصر سے قافلہ سے ہوگئی اور سریہ اس میں الجھ کر رہ گیا۔ اور یوں بھی سریہ جب نخلہ پہونچا ہے یہ ماہ رجب کی آخری تاریخیں تھیں، اس بنا پر قیاس یہی ہے کہ کاروان قریش مکہ سے نکل چکا اور شام کے راستہ پر گامزن ہوگا۔

قریش کے آئندہ کے لیے جو عزائم اور منصوبے تھے وہ ظاہر ہیں ہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب تک وقتاً فوقتاً ان لوگوں کے کاروانوں کی جستجو میں جو گشتی دستے بھیجتے رہے تھے اور بعض میں آپ خود بھی گئے تھے اُن کا اِن لوگوں کو علم تھا اور ان کی وجہ سے یہ پہلے ہی سے چوکنا تھے، اب اِدھر عمرو بن الحضرمی کے قتل اور اس کے کاروان کی بربادی کی اطلاع شام میں ابوسفیان اور دوسرے ارکانِ کاروان کو ہوئی تو ان کو دن میں تارے نظر آنے لگے اور انھیں محسوس ہوا کہ اب واپسی میں کاروان تجارت کی خیر نہیں ہے، غلبۂ دہشت وخوف کے باعث بدحواسی کے عالم میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوسفیان نے ایک شخص کو جس کا نام ضمضم الغفاری تھا مکہ روانہ کر دیا۔ شدید خوف اور دہشت کے موقع پر عرب کے قاعدہ کے مطابق اس شخص نے اپنے اونٹ کی ناک کاٹی، اپنا کرتا پھاڑا اور زور زور سے چیخنا شروع کیا: "اللطیمۃ، اللطیمہ" جس کے معنی یہ ہیں کہ "اے لوگو تمہارے اونٹ جو سامان تجارت لادے ہوئے ہیں ان کو حملہ سے بچاؤ" ضمضم کی اس چیخ پکار نے مکہ میں آگ لگا دی اور قریش کا ایک ایک فرد اس مہم کو سر کرنے کے جوش میں آپے سے باہر ہو گیا، جن لوگوں کے پاس مال اور ہتیار نہیں تھے ان کو سہیل بن عمرو نے جو بڑا دولتمند تاجر تھا، یہ سب چیزیں مہیا کیں۔

مکہ میں جو جنگ کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہوئیں ان کا ہیرو ابوجہل عمر بن ہشام مخزومی تھا۔ یہ طاقت اور گھمنڈ کے نشۂ پندار میں اس درجہ بدمست ہو رہا تھا کہ اگرچہ ابوسفیان اپنے کاروان کو سمندر کے ساحل ساحل، مدینہ کے راستہ سے کترا کر مسلمانوں کے خطرہ سے بچا نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس لئے مکہ میں کہلا بھیجا تھا کہ اب فوج کشی اور لشکر آرائی کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ابوجہل نہ مانا اور ہنکار کے بولا: "نہیں ہم ضرور بدر جائیں گے، وہاں تین دن تک خوب ضیافتیں ہوں گی، رنگ رلیاں منائیں گے، شرابیں اڑیں گی اور رقص و سرود کے جلسے ہوں گے"۔ یہ زمانہ بدر میں سالانہ میلہ (Annual Fair) کا بھی تھا۔ مقصد یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مدینہ کے لوگوں پر قریش کی سطوت و طاقت اور ان کی جی داری کی دھاک بیٹھ جائے، ابوجہل کی اس خرمستی کا ذکر مسلمان مورخین سیرت نے تو کیا ہی ہے، مستشرقین میں پروفیسر واٹ منٹگری نے بھی اپنی کتاب (Mohammad at Madina) میں اور پھر اپنے مقالہ مطبوعۂ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جدید اڈیشن) میں لفظ بدر کے ماتحت دونوں جگہ اس کا خاص طور پر نوٹس لیا ہے، غزوۂ بدر کے سلسلہ میں قرآن مجید کی آیت ذیل ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کی ان عاقبت نااندیشانہ بلاخوانیوں کی ہی عکاسی کرتی ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ، وَيَصُدُّونَ عَن	اور دیکھنا تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اکڑ فوں کے ساتھ اور لوگوں کے دکھاوے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سَبِيلِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ○ (الانفال)

کے لئے نکلے ہیں اور راہِ حق سے لوگوں کو روکتے ہیں، اچھا خیر! اللہ کے علم میں تو ان سارے لوگوں کے کرتوت ہیں۔

دو سوال

اب ذرا ٹھہریے، آگے بڑھنے سے پہلے دو سوالوں کا جواب ضروری ہے جو یہاں پیدا ہوتے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ ابوسفیان نے ضمضم بن عمرو الغفاری کو جو مکہ بھیجا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ سے روانہ ہونے سے پہلے بھیجا تھا یا بعد میں؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے ہیں اس وقت لشکرِ قریش مکہ سے روانہ ہو چکا تھا یا نہیں؟

پہلے سوال کے جواب میں اربابِ سیر و مغازی (ابن اسحٰق سے ابن عبدالبر تک) عام طور پر لکھتے ہیں کہ "جب ابوسفیان کو یہ خبر پہونچی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کاروانِ تجارت کی جستجو میں مدینہ سے چل پڑے ہیں تو اس نے ضمضم کو اجرت پر لیا اور مکہ روانہ کیا، لیکن در حقیقت یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ بیان ہے، کیونکہ انھیں اربابِ سیر کے بیان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸ رمضان اور ابن سعد کے بیان کے مطابق ۱۲ رمضان کو مدینہ سے روانہ ہوئے ہیں، اور غزوۂ بدر ۱۷، ۱۹ یا ۲۱ رمضان (مطابق ۱۳، ۱۵ یا ۱۷ مارچ ۶۲۴ء) کو برپا ہوا ہے، اس حساب سے مدینہ سے باہر نکلنے اور غزوہ کے شروع ہو جانے میں اوسطاً چھ سات دن یعنی صرف ایک ہفتہ کا فصل ہوا۔ اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابوسفیان نے حضور کے مدینہ سے نکلنے کے بعد ضمضم کو مکہ دوڑایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت ابوسفیان مقام بدر سے کافی پیچھے تھا اور ضمضم کی روانگی یقیناً جلد سے جلد ۱۰ رمضان یا ۱۴، ۱۵ رمضان کو ہی ہو سکتی ہے، ساتھ ہی یہ پیش نظر رکھئے کہ ابوسفیان اس وقت جس مقام پر ہے وہاں سے مکہ تک کی اور پھر مکہ سے بدر تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی (جہاں لشکر قریش سے سابقہ ہوا) یہ سب مسافت کتنی ہے[1]؟ اور پھر ضمضم کے مکہ پہونچتے ہی تو فوراً لشکر قریش روانہ نہ ہوگیا ہوگا۔ بلکہ تیاری میں کم ازکم دو تین دن ضرور لگے ہوں گے، ان سب چیزوں کو سامنے رکھا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ضمضم کی روانگی اور بدر میں لشکر قریش کی آمد کے درمیان کم ازکم بارہ تیرہ دن کا فاصلہ ہونا چاہیئے۔ حالانکہ ضمضم کی روانگی کے چار پانچ دن بعد ہی جنگ شروع ہوگئی ہے، اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوسفیان نے ضمضم کو اس وقت مکہ بھیجا تھا جب کہ حضور ابھی مدینہ سے روانہ بھی نہیں ہوئے، چنانچہ ہم نے اوپر جو حساب لگایا ہے اسی کی بنیاد پر پروفیسر منٹگری لکھتے ہیں: "بعض مآخذ بتاتے ہیں کہ ابوسفیان نے اپنا قاصد مکہ اس وقت بھیجا تھا جب اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاریوں کی اطلاع ہوئی تھی، لیکن اوقات اور دنوں کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بالکل ناممکن نظر آتا ہے[2]"

اب رہا دوسرا سوال جو پہلے سوال کا ہی ایک جز اور شاخسانہ ہے اس کا صاف اور قطعی جواب یہ ہے کہ لشکر قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ سے روانگی سے پہلے نہ صرف یہ کہ مکہ سے چل پڑا تھا، بلکہ بدر میں لشکر اسلام سے قبل پہونچ چکا تھا۔ چنانچہ اثنائے راہ میں جب اس لشکر کو ابوسفیان کا پیغام ملا ہے تو ابوجہل نے "واللہ ما نرجع" یعنی بخدا! ہم واپس نہیں ہوں گے" کے الفاظ کہے ہیں، علاوہ ازیں ایک واضح اور صاف روایت یہ ہے کہ جب حضور چلتے چلتے بدر کے قریب خیمہ فگن ہوئے تو شام کے وقت حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن

---

[1] بدر مدینہ کے جنوب میں واقع ہے اور مدینہ سے اس کی مسافت ایک سو ساٹھ (160) میل ہے، اور دوسری جانب بدر جو مکہ کے شمال میں ہے اس کی مسافت مکہ سے دو سو پچاس (250) میل ہے، یہ مسافت ان راستوں کے اعتبار سے ہے جن پر پہلے زمانہ میں قافلے چلتے تھے

[2] Mohammad at Madina: P. 10.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابی وقاص کو دشمن کی خبر لینے کے لئے روانہ کیا، ان حضرات کو قریش کا ایک اونٹ ملا جو پانی سے لدا ہوا تھا، اس اونٹ کے ساتھ اسلم اور ابو یسار دو غلام تھے، صحابہ نے ان کو پکڑ لیا اور اپنے خیمہ میں لے آئے، حضور اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، اب صحابہ نے دونوں غلاموں سے پوچھا: "تم کون ہو؟" انھوں نے جواب دیا: "ہم قریش کے بہشتی ہیں" بہشتی لشکر کے ساتھ ہوتے تھے، نہ کہ تجارتی قافلہ کے ساتھ، صحابہ نے خیال کیا کہ جھوٹ بول رہا ہے اس لئے اسے مارنا شروع کر دیا، اب ان کو چوٹ لگی تو بولے، نہیں ہم کاروان قریش کے لوگ ہیں، اتنے میں حضورؐ نماز سے فارغ ہوگئے تھے، آپ نے صحابہ سے فرمایا: ان غلاموں نے تم سے سچ بات کہی تو تم نے اسے پیٹنا شروع کر دیا، پھر یہ جھوٹ بولا تو تم نے اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے غلاموں سے دریافت کیا کہ لشکر قریش کہاں ہے؟ یہ بولے: "ٹیلہ کے پیچھے" آپ نے مزید دریافت کیا کہ "یہ لوگ کتنے اونٹ روزانہ ذبح کرتے ہیں" انھوں نے کہا: دس اونٹ روزانہ، ایک اونٹ چونکہ کم و بیش سو آدمیوں کو کافی ہوتا ہے، اس لئے حضورؐ نے اس سے اندازہ لگایا کہ لشکر کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہوگی[1]

یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ:

(الف) ابوسفیان نے ضمضم کو مکہ اس وقت بھیجا ہے جب کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ نہیں ہوئے ہیں۔

(ب) ضمضم کی چیخ پکار پر مکہ میں جنگ کی تیاریاں اس وقت شروع ہوئی ہیں جب کہ مدینہ میں ابھی جنگ کا سان گمان بھی نہیں ہے، اور اس بنا پر ابوجہل ایک لشکر جرار لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ سے روانگی سے پہلے ہی مکہ سے چل پڑا ہے۔

---

[1] الدرر لابن عبد البر ص ۱۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل خرد کی واماندگی لیکن سلسلۂ واقعات میں ارباب سیر نے جو روایات نقل کی ہیں وہ اس درجہ پُرپیچ وخم ہیں کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ جیسا محقق بھی ان میں الجھ کر رہ گیا اور ان سے دامن نہیں بچا سکا ہے، چنانچہ اس موقع پر (عہد نبوی کے میدان جنگ) میں لکھتے ہیں:

"قافلہ سالار (ابوسفیان) کا پیام مکہ پہونچا تو وہاں لازمی طور پر کہرام مچ گیا، کیونکہ ہر ایک گھرانے کا کچھ نہ کچھ سامان اس (کاروانِ ابوسفیان) میں تھا۔ جلدی میں قریش نے ناکافی تیاری کی اور جملہ حلیفوں کے اکٹھے ہونے کا انتظار نہ کیا۔ خاص طور پر جنگجو احابیش کو ساتھ نہ لینے پر بعد میں وہ بہت پچھتاتے بھی رہے، پھر بھی ہزار کے قریب رضا کار جمع ہوگئے، جن میں سے بعض کے پاس گھوڑے بھی تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے عام روایات کے دباؤ میں یہ لکھ تو دیا، لیکن انھیں اس کا احساس ہے کہ ان روایتوں پر بھروسا کرنے سے کیسی کچھ پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں، چنانچہ اس کے بعد ہی رقمطراز ہیں:

"اس کمک (لشکر ابوجہل) کو مکہ سے بدر پہونچنے میں کم وبیش ایک ہفتہ ضرور لگا ہوگا۔ یہ سوال کافی پیچیدہ ہے کہ قافلہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں فوراً مدینہ واپس نہیں ہوگئے اور کیوں ہفتہ بھر بدر میں پڑاؤ ڈالے، اپنے مرکز سے دور، خطرہ کا سامنا کرتے مقیم رہے۔

پھر خود ہی اس کافی پیچیدہ سوال کا جواب دیتے ہیں:

جہاں تک غور کیا مجھے ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے، ہجرت کے ساتھ ہی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آس پاس کے قبائل سے حلیفی اور معاونت کے معاہدے کرنے شروع کر دیے تھے چنانچہ سلہ میں جہینہ کے بعض سرداروں سے معاہدہ ہوا تھا" الخ

لیکن تاریخی حیثیت سے اس جواب کا کیا پایہ ہے؟ اس کے متعلق ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ جواب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر صاحب جیسے فاضل اور صاحب نظر مصنف کے مرتبہ سے نہایت فروتر اور لائق افسوس ہے۔[1]

---

[1] تاریخ اسلام میں روایات کا یہی وہ جھول ہے جس کی وجہ سے نہایت غائر نظر سے ان کے تنقیدی مطالعہ کی بہت سخت ضرورت ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر عرصہ ہوا راقم الحروف نے "اسلام کے عہد اولین کے مورخ اور ان کی تاریخ نویسی" پر ایک سلسلۂ مقالات لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور اس پر کچھ مواد جمع کر بھی لیا تھا، لیکن افسوس ہے بعض اور دوسرے منصوبوں کی طرح یہ منصوبہ بھی پریشان خاطری اور پراگندہ دماغی کی نذر ہوگیا،

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

بہرحال غزوۂ بدر کی بحث کے خاتمہ پر اس سلسلہ کی روایات کے پیچ وخم پر مختصر گفتگو ہم اس مقالہ میں بھی کریں گے، وباللہ التوفیق

انتخاب الترغیب والترہیب

مولفہ: حافظ محدث ذکی الدین المنذری رح

ترجمہ: مولوی عبداللہ صاحب دہلوی

اعمالِ خیر پر اجر و ثواب اور بدعملیوں پر زجر و عتاب پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اس موضوع پر المنذری کی اس کتاب سے بہتر اور کوئی کتاب نہیں ہے اس کے متعدد تراجم وقتاً فوقتاً ہوئے مگر نامکمل ہی شائع ہوئے۔ کتاب کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر اس کی ضرورت تھی کہ اس میں مکررات اور سندوں کے اعتبار سے کمزور حدیثوں کو نکال کر اصل متن تشریحی ترجمہ کے ساتھ ملا کر طبع کرایا جائے۔ ندوۃ المصنفین دہلی نے نئے عنوانات اور نئی ترتیب کے ساتھ شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے جس کی پہلی جلد آپ کے سامنے ہے۔ اس جلد کے شروع میں حدیث اور اس کے متعلقات پر ایک مبسوط اور طویل مقدمہ بھی ہے اس کے بعد اصل کتاب مع تشریحی ترجمہ شروع ہوئی ہے۔ صفحات ۴۵۰ قیمت -/۱۲ مجلد -/۱۴

ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com